

پروگرام کے مطابق وہ اگر اپنی زندگی گزاریں تو یقیناً صحت مند و توانا ہو سکتے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ الاسم والالنام اسم للاقعال المبطنة عن الثواب، وجمعه آثارم ولتضمنه لمعنى الباطن۔ المحدثات فی غریب القرآن، کتاب الاول، ص ۱۰، انجور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام پانچ، کراچی۔

۲۔ ترجمہ قرآن، جلد ۸، ص ۵۷، حاشیہ زیر آیت متعلقہ، روزہ طور

۳۔ دارلذکر انسائیکلو پیڈیا، جلد ۱، ص ۱۵۳، (۱۹۹۵ء)

The disorder has affected primarily homo sexual or bi sexual men, particularly those with many sexual partners.

۴۔ ایذا، The first cases of AIDS were diagnosed in 1981.

۵۔ ایچ آئی وی کی روک تھام میں دینی رہنماؤں کا کردار۔ اولین اشاعت، جاری کردہ پبلیش ایڈز کنٹرول پروگرام، حکومت پاکستان، ص ۹

۶۔ ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا۔ Victims of AIDS lose the ability to fight off disenes.

۷۔ مکی مسلم، کتاب البر و الصلۃ والادب، رقم الحدیث ۶۳۹۳۔

حاکم الشیخ فی صدری، ملاں چتر سرمد علی جمگی۔ ماحاک سیدہ عیسیٰ کواری نے نہیں کیا، کہتے ہیں ضرر بہ فساد احاک فیہ سیفہ، اس نے کواری کی کارگزاری ہوئی۔ (یہ پیشگی ہی میں مستعمل ہوتا ہے) المہند (عربی اردو) ص ۳۹، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، جولائی ۱۹۷۵ء

۸۔ ایچ آئی وی کی روک تھام، ص ۴۱

۹۔ المراد بالسبائات والحسنات ملککھما لا نفسھما ای یبدل عزوجل بملکة السبائات ودواعیھا فی النفس ملکة الحسنات بان یزیل الاولی ویاتی بالثانیہ۔ جلد التاریخ عشر ص ۵۹، مکتبہ ادبیات، مٹان۔

۱۰۔ اور جو کوئی دیکھ کر آجائے، بیشک کے لیے بھی روش اپنالے تو بیشک اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف چلنا، اپنے انجام کے اعتبار سے نہایت شاعرانہ ہوگا۔

۱۱۔ صاحب جیل نے زندگی کی خطرات میں سے بچنے جانے کا علم کیا ہے۔ اور ایڈز کا سریش بھی زندگی کی خطرات میں سے محروم ہوتا ہے۔

۱۲۔ ایچ آئی وی کی روک تھام، ص ۳۹

۱۳۔ ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا There is as yet no known treatment that can reverse the immune defect of AIDS.

۱۴۔ مکی مسلم، کتاب السلام، رقم الحدیث ۵۶۳۶

عورتوں کے مسائل اور ان کا حل

بیواؤں کی شادی کا مسئلہ

ڈاکٹر خاتون محمد عکلیل اوج

اساتذہ الفکر و الشیخ، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

جس معاشرہ میں کنواری لڑکیاں اپنے رشتوں کے انتظار میں بیٹھی ہوں وہاں بیوہ عورتیں اپنے مقدروں کو نہرویں تو کیا کریں۔ کنواریوں میں تو بچہ کنواری کی کشش ہوتی ہے۔ جسمیں اکثر بھڑ آڑے آجاتا ہے۔ بیوہ عورتوں میں بیوگی کا "عیب" ہی انکی غیر مقبولیت کے لئے کافی ہوتا ہے۔ بالیہ کہ ان کا عیب، انکی مالدار میں چسپ جانے تو بات دیگر ہے۔ اور یہ بھی صرف ان بیواؤں کے لئے ہے جو خوبصورت، جوان باور پر کشش ہونے کے ساتھ ساتھ بچوں کے لطف سے محفوظ ہوں۔ بچوں کے ساتھ، بیوہ عورتوں سے شادی کرنا ہمارے معاشرے کا چلن ہی نہیں۔

حالانکہ قرآن مجید نے مردوں کو دوسری تیسری اور چوتھی شادی کی اجازت اسی تناظر میں دی ہے۔ یہ اجازت انکی بیواؤں کی مرہون منت ہے مگر حیرت ہے کہ جن بیواؤں کے دم قدم سے مردوں کو یہ سہولت (Opportunity) دی گئی تھی، وہی عورتیں مردوں کے اس فیض صحبت سے محروم ہیں۔ گویا پردہ ہمارے نام سے انھیں عید منائی لوگوں نے

قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وان خفتم الا تقسطوا فی البتانی فانکھوا ما طاب لکم من النساء مثلی وثلث وربع ط فان خفتم الا تعدلوا فواحدة۔۔۔ الا یہ (النساء، ۳)

اگر تم اس اندیشے میں ہو کہ تیسوں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو تو ان (تیسوں کی) ماؤں سے نکاح کر لینا جو تمہیں مرغوب ہوں۔ دو دو، تین تین، چار چار۔۔۔ اور اگر تمہیں ان کے مابین عدل نہ کر سکے کا اندیشہ ہو تو پھر ایک ہی پر اکتفا کرنا۔

گو یا ایک سے زائد شادیوں کی اجازت عدل کی شرط پر موقوف ہے۔ اور جہاں ادائی شرط کی استطاعت نہ پائی جائے وہاں یہ حکم ہے کہ دوسری شادی سے گریز کیا جائے۔ اس لیے کہ شادی صرف وظیفہ زوجیت کی ادائیگی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ فریق ثانی کی تمام تر سماجی و معاشی ضرورتوں کی کفالت بھی اس میں شامل ہے۔

بیوہ عورتیں اپنے نکاح میں خود مختار بنائی گئیں ہیں۔ وہ اپنے نکاح میں کسی دلی کی اجازت کی محتاج نہیں ہیں۔ اس مقام پر بیوہ عورتیں، کنواریوں سے ایک درجہ اونچی معلوم ہوتی ہیں۔ کنواری عورتوں سے نکاح کے باب میں، پوری قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی یہ اشارہ نہیں ملتا کہ وہ اپنے نکاح منعقد کرنے میں خود مختار بنائی گئی ہیں۔ البتہ نکاح کرنے میں انکی آزاد مرضی کا عمل دخل سو فیصد تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اس آزاد مرضی کو ان کے اولیاء کی اجازت پر موقوف کیا گیا ہے۔ یہ گھریلو معاملات میں اسلام کا حسن انتظام ہے۔ تاہم اگر کسی کنواری کے حق میں یہ حسن منہل پہ سوائے انتظام ہو جائے تو اسے اولیاء کی مرضی سے ہٹ کر از خود نکاح کرنے کی یقیناً اجازت ہوتی ہے۔ مگر یہ استثنائی صورت حال ہے۔ عمومی صورت حال وہی ہے۔ جو اوپر مذکور ہوئی۔

مگر بیوہ عورتوں کو قرآن مجید کی رو سے یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنا معاملہ از خود طے کریں اور ان کے اولیاء انہیں سہولیات فراہم کریں۔ جیسا کہ ارشاد ہوا۔

فَإِذَا بَلَغَ الْاِحْلَاءُ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي انْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ط (آیہ)
(البقرہ/۲۳۴)

اور جب بیوہ عورتیں اپنی عدت پوری کر لیں تو وہ اپنی ذات کے بارے میں معروف طریق پر جو چاہیں فیصلہ کریں۔ اس کا ہم پر کوئی بار نہیں ہے۔

اپنے حق میں پسندیدہ طریق پر کچھ کرنے سے مراد بالعموم نکاح کو لیا جاتا ہے۔ تاہم اس سے مراد نکاح ثانی کی غرض سے زینت وغیرہ کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ بہر دو صورت بیوہ عورت اپنے معاملات میں خود مختار گردی گئی ہے۔ انکی آیت کو دیکھتے ہوئے اول الذکر مراد زیادہ صحیح اور برحق دکھائی دیتی ہے۔ بالمعروف کی قید سے پتہ چلتا ہے کہ یہ امر مشرور و پسندیدہ طریق پر ہونا چاہیے۔ قرآن مجید نے طریق نکاح کو معروف کے لفظ سے بیان کر کے خود نکاح کے ”امر معروف“ ہونے کو واضح کر دیا ہے۔

مطلب یہ کہ قرآن کی رو سے بیوہ عورت کا نکاح ”امر معروف“ ہے۔ جو لوگ اسے عار سمجھتے

ہیں وہ قرآن کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ دراصل بیوہ عورتوں سے نکاح، ہندو معاشرت کے اثر سے ہمارے فکرمیں بطور عار دیکھے داخل ہوا ہے۔ حالانکہ اسلامی معاشرت میں اسے امر معروف قرار دیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں مردوں کو بیوہ عورتوں سے نکاح پر ابھارا گیا ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَضَتْكُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ اَوْ اٰكْنُتُمْ فِيْ اَنْتُمْ سَمِعْتُمْ كُرْهُنَّ وَلٰكِنْ لَا تَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَتَوَلَّوْا اَوْ لَا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْرَضُوْا عَلَيْهِ النِّكَاحَ حَتّٰى يَبْلُغَ النِّكَاحُ اَجَلَهُ ط۔۔۔۔۔ (البقرہ/۲۳۵)

اس پر تہہ راکوئی مواخذہ نہیں ہے۔ جو تم اشارہ (بیوہ) عورتوں کو نکاح کا پیغام دیا اپنے دلوں میں چھپائے رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ تم ان کا خیال رکھو گے لیکن ان سے خفیہ وعدہ مت کرو۔ ہاں پسندیدہ بات بیشک کہو اور نکاح کی گرو کو پسند مت کرو، یہاں تک کہ مقررہ وقت اپنی انتہا کو پہنچ جائے۔

اس آیت سے جو نکات سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ بیوہ عورتوں کو ایسا مہر میں نکاح کا اشارہ دیا جاسکتا ہے۔ اس اشارہ سے مقصود، بیوہ عورتوں کی دلجوئی ہے تاکہ وہ اپنے مرحوم شوہر کے صدمے سے خود کو ہلاک نہ کر لیں۔ تمہارے پیام نکاح سے ان میں توانائی اور ایک نئی امنگ پیدا ہو جائے گی۔ جو بیوہ اور اسکے بچوں کے لئے نئی زندگی کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ ہندو معاشرت میں مرحوم شوہر کے ساتھ بیوہ کو سختی کرنے کا رواج تھا۔ جبکہ اسلامی معاشرت میں بیوہ کو پیغام نکاح سے نئی زندگی کی نوید سنائی گئی ہے۔

۲۔ بیوہ عورتوں سے کسی خفیہ وعدہ کو منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ خفیہ وعدہ انہیں کسی غلط راہ پر ڈال سکتا ہے۔

۳۔ خفیہ پیغام کتاب میں کتاب سے مراد عدت ہے۔ جو فرض کی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ بیوہ جب تک عدت میں ہو، اس وقت تک نکاح کا مسر احضار کر ممنوع ہے۔

۴۔ وَلَا تَعْرَضُوْا عَلَيْهِ النِّكَاحَ سے معلوم ہوتا ہے کہ عقدہ نکاح کا قائل مرد ہوتا ہے۔ اس لئے اسے ناجہ کہا جاتا ہے اور عورت کو منکوحہ۔

بیوہ عورت سے نکاح صرف عمل مستون ہی نہیں ایک سماجی ضرورت بھی ہے۔ سماجی ضرورت یوں کہ شوہر پر دیدہ اور لذت آشنا عورت کا مرد کے بغیر رہنا، کنواری کے مقابلے میں زیادہ خطرناک اور مشکل

ہوتا ہے۔ اگر بیوہ عورت کا نکاح نہ کیا جائے تو اس کے خراب ہونے کا امکان کنواری کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے اسلام کی معاشرت میں بیوہ عورتوں سے نکاح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بلکہ خود بیواؤں کو ان کے اپنے نکاح کا خود مختار بنادیا گیا ہے۔ تاکہ وہ اپنی آزاد مرضی سے، خود اپنے شوہر منتخب کریں۔

یہاں تک کہ اگر اس کے مرحوم شوہر نے اس کے لئے وصیت کر دی ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اسکی بیوہ کو ایک سال تک نان نفقی اور سکنی فراہم کیا جائے۔ یعنی عدت کے بعد بھی سات ماہ میں دن تک اسکی معاشی ضروریات کی کفالت کا ذمہ لیا جائے۔ تب بھی وہ اس امر کی مجاز ہے کہ بعد از عدت اپنی زندگی کا نیا ساقی تلاش کر لے اور اپنا گھر بسالے۔ البتہ اس صورت میں اسے مرحوم شوہر کے وصیت والے نان نفقی سے دستبردار ہونا پڑے گا۔

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً وصیۃ لازوالہم مٹاعاً الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسہن من معروف ط۔ (البقرہ ۲۴۱)
اور تم میں سے جو وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے عورتیں چھوڑ جائیں (تو انہیں چاہیے کہ) اپنی عورتوں کے لئے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک گھر سے نکالے بغیر اسکی معاشی ضروریات پوری کی جائیں۔ ہاں اگر وہ خود (اپنے مرحوم شوہر کا) گھر چھوڑ دیں تو تم پر اس کا کوئی بار نہیں، جو انہوں نے بھلائی سے اپنے حق میں کیا ہے۔

آیت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی وصیت کو عورت کی ضرورت کے پیش نظر اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جسمیں عورت کو یہ اذن حاصل ہے کہ وہ اگر چاہے تو وصیت سے ایک سال تک قانکہ اٹھا سکتی ہے۔ یوں قرآن مجید نے بیوہ عورت کی کم از کم ایک سال تک کی معاشی کفالت کا انتظام، مرحوم شوہر کے دیگر ورثاء کے ذمہ لگا دیا ہے اور اس عرصہ میں باقی زندگی کے لئے کسی نئے ”کفیل“ کو ڈھونڈنے کی اجازت بھی دے دی ہے۔

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۴ میں مسلمان مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بیوہ عورتوں کو اپنا شریک حیات بنائیں۔ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۱۳ اور ۲۳۵ میں خود بیوہ عورتوں کو اپنے نکاح کا خود مختار رجحان بنایا گیا ہے۔ اور سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۳۵ میں مردوں کو، بیواؤں سے نکاح کرنے پر ابھارا گیا ہے۔ اور اب وہ آیت دیکھئے۔ جسمیں معاشرہ کے اجتماعی خمیر کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ وہ تمام بے نکاحوں کے نکاح

کرنے کی فکر کریں۔

وانکحوا لایامی منکم۔۔ (البقرہ ۲۳۲)

اور جو تم میں بے نکاح ہوں، تم ان کے نکاح کراؤ۔

آیت میں ایامی کا لفظ آیا ہے۔ یہ لفظ بہت جامع ہے۔ ایامی، ایام کی جمع ہے اور ایام کا لفظ ہر نجر یعنی بے نکاح شخص پر پولا جاتا ہے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ مجرد کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ جس نے ابھی تک نکاح نہ کیا ہو

۲۔ نکاح تو کیا ہو مگر اب وہ اپنا زون کھو چکا ہو۔

جو لوگ بیوہ عورتوں کو نکاح ثانی سے روکتے ہیں انہیں غور کرنا چاہیے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن تو اسلامی معاشرہ کی ذمہ داری پر قیام رکھ رہا ہے کہ وہ تمام بے نکاحوں کے نکاح کی تکمیل پیدا کریں نہ کہ رکاوٹ۔ سو یہ بت الحارث الاسلمیہ اپنے شوہر کے انتقال کے وقت حاملہ تھیں۔ وضع حمل کی مدت پر اختلاف روایات چالیس دنوں پر مشتمل تھی۔ وضع حمل کے بعد جب انہوں نے نکاح کا ارادہ کیا تو اسے برا سمجھا گیا۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تو نکاح ثانی کرنا چاہتی ہے تو کر، کیونکہ وضع حمل سے تیری عدت پوری ہو چکی ہے۔ (یعنی چار ماہ دس دن مکمل کرنے کی ضرورت نہیں ہے) گو اس روایت میں بنیادی طور پر تعین عدت میں اختلاف کی صورت کا بیان پایا جاتا ہے۔ تاہم اس سے بیوہ عورت کے نکاح ثانی کی قبیل کا بھی پتہ چلتا ہے۔

بیواؤں سے نکاح کرنے کی فضیلت اور اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے آقا و مولا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کا پہلا نکاح جس خاتون سے کیا تھا وہ بیوہ ہی تھیں۔ اور وفات ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد بھی آپ ﷺ نے بیستر نکاح، جن عورتوں سے کیئے وہ بیوائیں تھیں۔

حوالہ

۱۔ سید محمود آقوی بغدادی (متوفی ۱۲۵۰ھ) روح البغی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، الجزء الثامن والآخر، ص ۱۳۸، مکتبۃ المدین، مملکت سعودیہ، شامعہ درج نہیں۔

کم سنی کی شادی — بچوں سے زیادتی

نکاح دو ایسے افراد کے مابین ناجی معاہدہ کا نام ہے۔ جو عاقل و بالغ ہوں۔ اور برضا و رغبت ایک دوسرے کو قبول کریں۔ مگر ستم ظریفی دیکھیے کہ ہمارے معاشرے میں یہ وہ ناجی معاہدہ ہے کہ جو دو غیر عاقل و بالغ افراد کے لیے کوئی تیسرا فرد بھی انجام دے سکتا ہے۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ جن کے بارے میں یہ معاہدہ کیا گیا ہوتا ہے۔ بعض اوقات اپنی صغر سنی اور بے عقلی کی وجہ سے انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ انکی آئندہ کی زندگی کا فیصلہ انکے بزرگوں نے اپنے اختیار سے کر دیا ہے اور اب ان کے لیے اس فیصلے پر ہلنا و صدمہ قہر کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

پاکستان کے وہی علاقوں بالخصوص سندھ، پنجاب اور بلوچستان میں اس طرح کے نکاحوں کا رواج بہت زیادہ ہے۔ شاید اسی لیے وہاں کے مرد، جب جوان اور سمجھدار ہو کر اپنی عقلی زندگی میں قدم رکھتے ہیں تو اپنی پسند کی ایک شادی اور کرتے ہیں اور یوں پہلی بیوی کو عضو معطل بنا کر رکھ چھوڑتے ہیں جبکہ خانی (Compensation) کے طور پر اپنی جائیداد غیر منقولہ میں یا عموماً اسی کو شریک بنا دیتے ہیں۔ اس طرح اپنی دوسری بیوی کو، چاہتوں میں شریک کرتے ہیں لیکن عموماً اپنی جائیداد میں عضو معطل بنا دیتے ہیں۔ یوں دونوں بیویاں ہی مرد کے ظلم کا شکار ہوتی ہیں۔

اس ضمن میں اسلامی تعلیم یہ ہے کہ ایسے نکاحوں کو روکا جائے۔ کیونکہ عمر نکاح، بلوغ کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اور یہ بلوغ، جہاں جسمانی ہوتا ہے وہیں عقلی بھی ہوتا ہے۔ جب تک یہ دونوں بلوغ اکٹھے نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک یہ رشتہ قائم نہیں ہونا چاہیے۔ (استثنائی صورتیں، اس عموم سے خارج ہیں)

قرآن کی رو سے نکاح کا تعلق بلوغ سے ہے۔

وَاِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ حَتَّىٰ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ۔ (النساء ۶)

اور تہیوں کی جانچ کرتے رہو، یہاں تک کہ وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں۔

آیت میں بلوغ کی بجائے ”نکاح“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ نکاح،

بلوغ کو سترزم ہے۔ لہذا کم عمری کی شادی، از روئے قرآن صحیح نہیں معلوم ہوتی۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک بڑے کا سن بلوغ کا مل طور پر اٹھارہ اور لڑکی کا سترہ سال ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک چودہ سال ہے۔ لہٰذا یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ شادی کے لیے فقط جسمانی بلوغ ہی کافی نہیں ہوتا، عقلی بلوغ بھی لازم ہوتا ہے۔ جیسا کہ حتیٰ اذا بَلَغُوا النِّكَاحَ کے ساتھ آیا ہے۔

فَاِنْ اَتَيْتُمْ مِنْهُمْ رَشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ۔ (النساء ۶)

اور اگر تم ان میں عقل کی پختگی پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔

اس فقرہ میں عمر نکاح کو ”رشد“ (عقلی بلوغ) کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے۔ ویسے تو یہ قرآنی حکم مال کی حوالگی یعنی قبضہ و تصرف کے سلسلہ میں وارد ہوا ہے۔ مگر اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ جب مال کی اہمیت اس قدر ہے کہ وہ بغیر رشد کے ”بالغوں“ کے حوالے نہیں کیا جاسکتا تو کسی ”جان“ کو فقط جسمانی بلوغ کے ثبوت پر کیسے حوالے کیا جاسکتا ہے؟ کیا ہماری نگاہ میں کسی کا ”وجود“ مال سے بھی کم تر ہے کہ جسے حوالے کرنے کے لیے کسی رشد (عقلی پختگی) کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی دوسرے یہ کہ جس طرح بعض صورتوں میں بلوغ کی علامات ظاہر نہیں ہو پائیں مگر عمر ہو جاتی ہے تو اس صورت میں ہمارے پاس عقلی بلوغ (رشد) وہ واحد پیمانہ ہوتا ہے کہ جس سے حقیقی طور پر جواز نکاح کو تاپا جاسکتا ہے۔ اس لیے ہم بخاندانے بعض نکاح کے لیے جسمانی صلاحیتوں کے ساتھ عقلی صلاحیت بھی اس وجہ کی درکار ہونی چاہیے جس وجہ کی حوالہ مال میں ضروری سمجھی جاتی ہے۔

از روایتی زندگی کے قیام و استحکام، مسرت و شادمانی اور ذاتی مطابقت و موافقت کا راز، دراصل ان دونوں صلاحیتوں کی یکساں موجودگی میں ہی ممکن ہے۔ اور ان میں سے کسی ایک بھی صلاحیت کا مفقود ہو جانا، شادی کی لازوال مسرتوں کو، حسرت و یاس اور زوال شادمانی میں تبدیل کر دینے کے مترادف ہے۔

والدین بالعموم یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا اہم فرض یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کی جلد از جلد شادیاں

کر دیں۔ اس فرض کو نبھانے میں وہ اس قدر تیزی اور مستعدی دکھاتے ہیں کہ بچوں کو بڑا بھی نہیں ہونے

دیتے کہ کسی کے پتے باندھ دیتے ہیں یا کم از کم منسوب کر دیتے ہیں۔ اور اپنے ہمیں یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں

نے اپنا فرض منصبی ادا کر دیا ہے۔ حالانکہ والدین کا اولین فرض یہ بنتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی بہتر سے بہتر

تعلیم و تربیت کریں۔ ان کے اندر نیکی کا جو ہر پیدا کریں اور ان کی صلاحیتوں کے مطابق انہیں معاش پیدا

والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء۔۔۔ (البقرہ ۲۲۸)

اور مطلقہ عورتیں تین قروء تک انتظار کریں۔

اس آیت میں مطلقہ غولہ کی عدت تین قروء (حیض یا پھر طہر) بتائی گئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بالغ بچوں سے نکاح صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بصورت طلاق مع ادخال انکی عدت کا کوئی بیان نہیں ہوگا۔ کیونکہ عدم حیض کی وجہ سے ان پر حالت طہر کا بھی الطلاق نہیں ہو سکے گا کہ طہر کے لیے حیض کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اور کم سنائی میں اس صفت کا ہونا مفقود ہے۔

مناسب ہوگا کہ یہاں قروء کی قدرے وضاحت کردوں۔ قروء مکرر کی جمع ہے۔ اور قروء دراصل حالت طہر سے حالت حیض میں داخل ہونے کا نام ہے یا اس صورت یہ لفظ ذو معنی ہے۔ اس لیے دونوں حالتوں کا جامع ہے۔ اس لیے بعض اوقات دونوں میں سے کسی ایک معنی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور یہ خصوصیت صرف اسی لفظ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر وہ اسم جو دو معنوں کے لیے وضع کیا گیا ہو وہ الگ الگ بھی ہر ایک کے لیے بولا جاسکتا ہے۔ جیسے مائدہ کا لفظ، جو دسترخوان اور طعام دونوں کے لیے وضع کیا گیا ہے مگر دونوں میں سے کسی ایک کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ پس حدیث قروء کا مطلب ہوگا۔ عورت کا تین دفعہ حالت طہر سے حالت حیض میں داخل ہونا۔ چنانچہ اس لفظ سے بھی پتہ چلا کہ حالت عموم کے تحت ناپائشی کا نکاح ناقابل فہم ہے۔

صغریٰ کی شادی کی ممانعت پر اس آیت سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔

نساء کم حرث لکم فأتوا آخرکم انی شلتکم و قدموالا نفسکم۔ (البقرہ ۲۳۳)

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ پس جب چاہو تم اپنی کھیتوں میں جاؤ۔ اور اپنے لیے (کچھ) آگے بھیجو۔

اس آیت میں بیویوں کو شوہروں کی کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس تشبیہ میں عورتوں کے بلوغ کی موجودگی بہت واضح اور نمایاں نظر آتی ہے۔ کیونکہ صحبت باہمی (جو نکاح کو مستلزم ہے) کا مقصود حقیقی، نسل انسانی کو بڑھانا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بالغ لڑکی اپنے کاشت کار کے لیے کھیتی کا کردار ادا کرنے سے قاصر ہوتی ہے۔ اس لیے نسل انسانی کو بڑھانے کا سبب بھی نہیں بن سکتی۔

آیت حیض میں بھی ناپائشی کے نکاح کی ممانعت پر صاف دلیل موجود ہے۔

ويعتزلونک عن المحيض مذ قل عواذی فاعتزلوا النساء فی المحيض ولا تقربوهن

حتیٰ یطهرن ج فاذا تطهرن فأتوهن من حیث امرکم اللہ ۛ۔ (البقرہ ۲۲۲)

عورتوں کے مسائل اور ان کا حل
کرنے کے قابل بنائیں تاکہ وہ اپنے پاؤں پر خود کھڑے ہو سکیں۔ جہاں تک شادی کا تعلق ہے یہ خود ان بچوں کا حق ہے، جسے استعمال کرنے کا موقع انہی کو ملنا چاہیے۔ البتہ اس سلسلے میں انکی رہنمائی ضروری جانی چاہیے۔ بچوں کو اس طرح تربیت دینے سے ان میں ذمہ دارانہ احساس پیدا ہوتا ہے۔ جو آگے چل کر ان کی ازدواجی زندگی کی بہتری اور ترقی کا سبب بنتا ہے۔

کم عمری میں شادی نہ ہونے کا اشارہ ہمیں اس آیت سے بھی ملتا ہے۔

فانکحوا ما مطاب لکم من النساء۔ (النساء ۳)

پس تم ان عورتوں سے نکاح کرو، جو اچھی، عمدہ اور پاکیزہ ہوں۔

پہلی بات تو یہ کہ فائقہ اصغر عمر ہے۔ یعنی حکم شرعی ہے۔ اور یہ حکم کسی غیر مکلف کو نہیں دیا جاسکتا۔ چنانچہ بچہ، اپنی طفولیت کی باعث، اس حکم کا مخاطب نہیں۔ اس لیے وہ نکاح بھی نہیں کر سکتا۔ دوسرے یہ کہ اس آیت میں "ما مطاب لکم" بھی آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو ان عورتوں سے نکاح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جو عمدہ اور پاکیزہ ہوں اور صغریٰ میں بچہ، عورت کی عمرگی اور پاکیزگی کو نہیں جان سکتا۔ اس لیے بھی چھوٹی عمر میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ تیسرے یہ کہ آیت میں "النساء" کا لفظ موجود ہے۔ جس کا مفہوم "عورتیں ہیں نہ کہ بچیاں"۔ چنانچہ النساء کا لفظ، خود انکی رکھ رکھاؤ پر ہے کہ شادی کے لیے فریق ثانی کا "عورت" ہونا ضروری ہے۔ غرض کہ یہ آیت بھر پر طریقے سے کم سن کی شادی کی ممانعت کا اعلان کر رہی ہے۔

کم سن کی شادی کے خلاف اس آیت میں بھی استدلال موجود ہے۔

یا ایہا الذین امنوا لا باحل لکم ان ترثوا النساء کرها۔ (النساء ۱۹)

اے ایمان والو! تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ عورتوں کے جبراً وارث بن جاؤ۔

جب بالغ عورتوں کے ساتھ زبردستی کرنے سے روکا گیا ہے تو بالغ بچوں سے نکاح کرنا، بدرجہ اولیٰ جبر و اکراہ میں آئے گا۔ اس لیے کہ کوئی بالغ بچی اپنی پسند اور مرضی کے اعتبار و بیان میں ناپائشی تصور کی جاتی ہے۔ اور بالفرض اگر وہ اعتبار بھی کرے تو بھی اس کا اعتبار، شرعاً، اخلاقاً اور قانوناً غیر معتبر قرار پائے گا۔ کیونکہ اعتبار اور چیز ہے اور فریق ثانی کی حیثیت سے معاہدہ بننا اور۔ نکاح صرف اعتبار پسندی کا نام نہیں ہے بلکہ عملاً ایک معاہدہ کا نام ہے۔

کم سن کی شادی کے خلاف یہ آیت بھی ہمارا استدلال بنتی ہے۔

اور آپ سے جنس کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ بتا دیجئے کہ یہ ضرور رساں چیز ہے۔ پس حالت جنس میں بیویوں سے الگ رہو بلکہ (مقاربت کے لیے) ان کے نزدیک بھی نہ جاؤ۔ یہاں تک کہ وہ پاک و صاف ہو لیں۔ پھر جب خوب اچھی طرح نہالیں تو (بغرض صحبت) ان کے پاس جاؤ۔ جس طرح تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے۔

یہاں سوال کی نوعیت حالت جنس میں صحبت کرنے کی ظاہر ہوتی ہے۔ جیسا کہ جواب سے معلوم ہو رہا ہے اس لیے ”عواذی“ میں اشارہ صحبت کی طرف ہے نہ کہ جنس کی طرف۔ مطلب یہ کہ جنس میں بذات خود کوئی ضرر نہیں، البتہ اس حالت میں صحبت کرنا دونوں کے لیے ضرر رساں ہے۔ جمعی تو مقاربت سے روکا گیا ہے۔

حالت جنس میں بیویوں کے پاس جانے کی ممانعت کا حکم اس امر کو مستلزم ہے کہ وہ عورتیں مکمل طور پر بالغ ہو چکی ہیں۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ نابالغی میں عورت کا نکاح، اسلام کو مطلوب نہیں ہے۔

کم سن کی شادی پر مجوزین نے قرآن کی ایک آیت سے استدلال کیا ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کو بھی سمجھ لیا جائے۔

وَالَّذِينَ هُمْ مِنَ الْمُحْضِرِينَ مَنْ نَسَأَ كَمِنْ أَنْ لَرَاتِهِمْ فَعَدَّ ثَلَاثَ أَشْهُرٍ وَالَّتِي لَمْ يَحْضُرْ - (الطلاق ۴)

اور جو تمہاری عورتیں (بوجہ زیادتی عمر) جنس سے مایوس ہو چکیں، اگر تمہیں شک ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔ اور (ان کی عدت بھی تین ماہ ہے)۔ جنہیں (کسی مرض کے سبب) جنس نہیں آیا۔

بالعموم ہمارے مفسرین نے لم یحضر سے مراد ان لڑکیوں کو لیا ہے۔ جو نابالغ ہوتی ہیں۔ پھر اسی سے انہوں نے ”نابالغی میں نکاح“ کو ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ واضح ہو کہ عدت کا مسئلہ صحبت و مقاربت کے بعد تحقق ہوتا ہے۔ اس لیے نابالغی میں تین ماہ کی عدت کا مطلب یہ ہوا کہ بچی کے ساتھ، نابالغی میں ”صحبت“ بھی کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ عدم صحبت پر کوئی عدت نہیں ہے۔

ایسے نکاح کو آپ تصور میں لائیے اور بتائیے کہ کیا یہ لڑکی کے ساتھ ظلم نہیں ہے کہ قدرت نے ابھی اسے اس مقصد کے لیے تیار بھی نہیں کیا۔ اور ہم اسے اپنی جنسی خواہش کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ اور ہم بالائے ستم یہ کہ اسے ”شریعت“ بھی سمجھ رہے ہیں۔ کیا کسی ایسے بچے کو گوشت کھلایا جاسکتا ہے جو ابھی تک صرف دودھ پیتا ہو؟ کیا کسی ایسے بچے کو دوڑایا جاسکتا ہے، جس نے ابھی گچ طور پر چلنا بھی نہ سیکھا ہو؟

کسی ایسی بچی کو صحبت کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے جو جنسی معاملات اور دوطرفہ ملاپ کی خبر بھی نہ رکھتی ہو اور نہ فریق مخالف کو جھینلے کی سکت اپنے اندر پاتی ہو۔ کیا ہمارے علماء یہ فقہی مسئلہ بھول گئے کہ نثر و بالغ کے ساتھ بغیر مرضی و رضا مندی کے صحبت نہیں ہو سکتی۔ پھر کس قدر ظلم ہے کہ ایک طرف تو یہ مسئلہ ہوا اور دوسری طرف اس نابالغ بچی سے زبردستی صحبت کرنے پر اصرار ہو۔ جو ابھی تک ضرورت نکاح کی تفہیم سے ہی عاری ہو۔ پھر ایسی بچی بھلا اس فعل پر اپنی مرضی کیسے بتا سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی بچی کے ساتھ جو کچھ بھی ہوگا۔ وہ مکمل طور پر یکطرفہ اور بالجبر ہوگا۔ اسلامی معاشرہ کو چھوڑیے ہم سمجھتے ہیں کہ کسی بھی انسانی معاشرہ میں ایسے جبر کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

ہمارے خیال میں یہاں ”لم یحضر“ سے مراد جو ”صغیرہ“ کو لیا گیا ہے۔ دراصل یہ اسی کا شائبہ ہے۔ حالانکہ ہمارے مفسرین نے صغیرہ کے ساتھ ایک مفہوم اور بھی اخذ کیا ہے۔ اور ہمارے نزدیک وہ مفہوم درست بھی ہے۔ مگر افسوس کہ درست ہونے کے باوجود وہ مفہوم ان کے ہاں سند قبولیت حاصل نہ کر سکا۔ تاہم یہ بھی بسا غیبت ہے کہ اسے غلطی حقیقت کا درجہ تو مل گیا۔ اگر یہ بھی نہ ملتا تو ہم کیا کر سکتے تھے۔

اسی مؤخر الذکر مفہوم کی وجہ ترجیح و تقدیم میں ہمارے پاس دو قرآنی دلائل ہیں۔ جن سے کم سن کی شادی کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ (اور جو ادھر مذکور ہوئے) جبکہ مجوزین کے پاس، سوائے اس مقام کے، کوئی قرآنی دلیل نہیں ہے۔ اور ان کے حق میں اس دلیل کی جو کچھ بھی حقیقت اور حیثیت ہے۔ وہ آپ کے سامنے ہے۔

واضح رہے کہ جس طرح مرد کے بلوغ کا تعین، احکام یا پھر سن سے ہوتا ہے۔ اسی طرح عورت کے بلوغ کا تعین، جنس یا پھر عمر سے ہوتا ہے۔ اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہوا کہ عورت کو جنس نہ آنا اس کے نابالغ ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ اس طرح کی عورتوں کو باعتبار جنس نہ سبکی باعتبار بلوغ تصور کیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس آیت میں ایسی ہی بالغ عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ بعض عورتیں، ایسی بھی ہوتی ہیں جنہیں تمام عمر جنس نہیں آتا۔

ذیل میں ہم ان مفسرین کے اقوال درج کیئے دیتے ہیں۔ جنہوں نے لم یحضر کی تفسیر دونوں طرح سے کی ہوئی ہے۔

۱۔ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی فرماتے ہیں۔

یعنی وہ صغیرہ ہوں یا عمر تو بلوغ کی آگئی مگر ابھی تک جنس نہ شروع ہوا۔ ان کی عدت بھی تین ماہ ہے۔